تنزیل و تاویل

تفسیر سورۂ کوثر

(۵)

تالیف علامۂ حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ جناب مولانا امین احسن صاحب اصلاحی، مدیر الاصلاح اعظم گڈھ

(سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو ترجمان القرآن جلد ۷، عدد ۴)

تمام ملتوں پر ملت مسلمہ کی فضیلت ۱۱- یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ نماز کو جس طرح تمام عبادات پر فضیلت و تقدم حاصل ہے اسی طرح قربانی پر بھی اس کو فضیلت حاصل ہے۔ اسی لیے بیان میں خدا نے ان کو مقدم رکھا۔ ان دونوں کی باہمی مناسبت پر ہم نے جو تقریر کی ہے اس پر غور کرنے کے بعد اس فضیلت کی وجہ اور ان دونوں کی عظمت بالکل بے نقاب ہو جائے گی۔ اس لیے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ایک اہم سوال باقی رہ جاتا ہے وہ یہ کہ کوثر کی عظیم الشان نعمت کو ہمارے لیے مخصوص کرنے اور نماز و قربانی کے ایک ساتھ ذکر کرنے سے کیا خاص نتائج نکلتے ہیں:—

۱- ملت مسلمہ کو تمام دوسری ملتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

۲- یہود و نصاریٰ کی توبہ کی قبولیت، اسلام لانے پر منحصر ہے۔

۳- صرف مسلمان حضرت ابراہیم کے وارث ہیں۔

ان امور کے سمجھنے کے لیے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے۔

تمام قدیم مذاہب میں خدا کے تقرب کا سب سے بڑا ذریعہ قربانی تھا یعنی ہمارے

یہاں جو رتبہ نماز کو حاصل ہے، وہی رتبہ دوسرے مذاہب میں قربانی کو حاصل تھا یہود کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ انہوں نے نماز کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کیا ہے، اور روزے کا ذکر بھی ان کے ہاں کنایات و اشارات کے حجاب میں گم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی عقل حقیقی رشد و بلوغ کو نہیں پہنچی تھی، اس لیے مجرد توجہ الی اللہ جو نماز کی حقیقت ہے، ان کی روحانی تربیت کے لیے کفایت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے اس ملت میں نماز کو مقدم کرنا اور اس کو دین کا مغز قرار دینا اس امر کی دلیل ہے کہ دین نے اپنی ترقی کا قدم، عروج و کمال کے آخری زینہ پر رکھ دیا لیکن یہ اہم نکتہ فراموش نہ کرنا چاہیے کہ طبیعتوں کے مدارج فطرتاً مختلف ہوتے ہیں۔ ایک قوم علم و حکمت کے ذروۂ کمال تک پہنچ جاتی ہے، تاہم اس میں بہت سے ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں جو طفولیت عقلی کے ابتدائی مراحل میں ہوتے ہیں اس لیے اسلام نے اگرچہ نماز کو عماد دین قرار دیا اور اپنے اصول میں اس کے لیے جو جگہ مخصوص کی وہ کسی عبادت کو نہ دی، تاہم قربانی کو بالکلیہ نہیں مٹایا حتیٰ کہ اس نے ان قدما کی یادگار بھی اپنے مراسم میں باقی رکھی جو دین کو محض رہبانیت خیال کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے کچھ آثار حج کے مراسم میں باقی ہیں۔

نصاریٰ کا حال یہود کے مراسم میں بالکل برعکس ہے۔ ان کے یہاں صرف نماز ہے۔ قربانی کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن اس سے وہ ایک کامل مذہب پر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے، کیونکہ کمال اعتدال میں ہے۔ غلو سے کوئی بھلائی وجود میں نہیں آسکتی۔ چنانچہ اس غلو کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین کی اصل بنیاد ایمان کے باب میں وہ یہود سے بھی نیچے گر گئے۔ جس طرح اعمال کے باب میں یہود ان سے پست حالت میں تھے۔

اسی وسط و اعتدال کی رعایت اور ہر چیز کو اس کی اصلی جگہ دینے کے لیے قرآن میں سب سے زیادہ ذکر نماز کا آتا ہے اور "نحر" کا لفظ بجز اس سورۃ کے پورے قرآن میں کہیں

نہیں آیا ہے۔ جن چند جگہوں پر "تضحیۃ" کا ذکر آیا ہے، وہاں بھی تبعاً آیا ہے پس چونکہ امت مسلمہ کے لیے نماز اور قربانی دونوں عبادتیں یکجا کی گئی ہیں اور خدا نے ان کے فلسفہ اور ان کی عظمت کو پوری طرح ہمارے لیے کھولا ہے، لہذا ہمارے پاس یہ کہنے کے کافی وجوہ موجود ہیں کہ اس جامع شریعت کو دوسری تمام شریعتوں اور ملتوں پر فضیلت بخشی گئی ہے۔

مشرکین اور ملاحدہ کا ذکر نظر انداز کر دینا چاہیے۔ ان کی نماز و قربانی خدا کے لیے نہیں ہے، اس لیے وہ خارج از بحث ہیں۔ باقی رہے یہود و نصاریٰ تو وہ صرف شریعت کے رکن اعظم ہی سے محروم نہیں رہے بلکہ یک قلم دین ہی سے محروم ہو گئے، کیونکہ وہ ایک ایسے مذہب پر قانع ہو گئے جو ایک محدود مدت کے لیے بھیجا گیا تھا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نصاریٰ کا مذہب تجرد اور علیحدگی کا مذہب تھا اس میں ہر شخص پر صرف اس کے نفس کی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالا گیا تھا، اس لیے ان کو جہاد نہیں دیا گیا بلکہ روزہ، نماز اور زکوٰۃ پر رہنے کا حکم ہوا۔ اور ان عبادات کو بھی پوشیدہ کرنے کی ہدایت کی گئی۔ یہ طریقہ اگرچہ ان کی اصلاح و تربیت کے لیے نہایت موزوں تھا لیکن ان کے فرائض و سنن اس اخفا اور رازداری کے حجاب میں غائب ہو گئے، اور آہستہ آہستہ انہوں نے یہ تمام تعلیمات ضائع کر دیں۔ چنانچہ موجودہ انا جیل روزہ اور نماز کا بحیثیت فرائض کے حکم نہیں دیتیں بلکہ ان کو صرف مستحبات کا درجہ دیتی ہیں اور سعی و تدبیر، کسب و محنت اور عوض و انعام کی بالکل مخالف ہیں جب انہوں نے اپنی شریعت کا ایک بڑا حصہ ضائع کر دیا (ونسوا حظاً مما ذکروا بہ) اس کی جگہ ان کی بدعات و خرافات نے لے لی، چنانچہ ان میں یہ اعتقاد پھیل گیا کہ چونکہ حضرت مسیح اپنی تمام امت کی طرف سے قربان ہو گئے اس لیے قربانی کے حکم کی ذمہ داریوں سے وہ سبکدوش ہو گئے۔ اس خیال میں یہود کی شریعت کے اس حکم کی جھلک ہے جس کا منشا یہ ہے کہ کسی گناہ کا کفارہ بغیر خون بہائے

نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ نے اپنا خون بہا کر اپنی تمام امت کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ اس عقیدہ کے اختیار کر لینے کے بعد نصاریٰ کے لیے دو باتوں میں سے ایک کا ماننا لازمی ہو گیا۔ اور دونوں کفر و شناعت میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ یا تو وہ یہ تسلیم کریں کہ حضرت مسیحؑ نے ان کے مستقبل کے تمام گناہوں کا بھی کفارہ ادا کر دیا، چنانچہ ان کے ایک فرقہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیحؑ پر ایمان لانا نجات کے لیے کافی ہے اور یہ رہبانیت کی بدترین صورت ہے، یا یہ مانیں کہ مستقبل کے گناہوں کی مغفرت کی کوئی صورت نہیں ہے، جیسا کہ ان کے ایک فرقہ اور ان کے امام پولوس کا خیال ہے۔ اور یہ معتزلہ کی اس شناعت سے بدرجہا بڑھ کر ہے جس کے وہ رہبانیت کی مفرط مخالفت میں مرتکب ہوئے ہیں۔ یہی ابتری یہود کے ہاں بھی ہے ان کے ہاں دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ بغیر قربانی کے مغفرت نہیں ہو سکتی، دوسرے یہ کہ ہیکل کے سوا کسی دوسری جگہ قربانی جائز نہیں۔ ان حکموں کی موجودگی میں ان کے ہاتھوں سے ہیکل کے نکل جانے کے معنی یہ ہیں کہ ان کے مذہب نے ان پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا۔ اور ان کے لیے اس کے سوا اور کوئی راہ باقی نہیں رہی کہ اس نبی موعود (صلعم) پر ایمان لائیں جس کی بعثت سے ان کی تمام آرزوئیں وابستہ کی گئی تھیں۔ اور جس کو پوری طرح ان کے انبیاء نے پہچنوا دیا تھا۔ قرآن مجید میں جس جگہ یہود کو آخری اور کامل شریعت کے ناقابل بتایا گیا ہے اور حضرت موسیٰؑ نے ان کے لیے مغفرت چاہی ہے، وہاں اس وعدہ کا بھی ذکر ہے:۔

قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ

کہا، میں اپنا عذاب جس پر چاہتا ہوں، نازل کرتا ہوں، اور میری رحمت ہر چیز کے لیے عام ہے، پس میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ رکھوں گا جو تقویٰ پر قائم رہیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور جو ہماری

يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ۔ آیات پر ایمان لائیں گے۔ جو اس رسول اور نبی امی کی پیروی کریں گے جس کو وہ اپنے یہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ یہ تین لفظوں کی ایک آیت دنیا کے تمام مذاہب وادیان پر بھاری ہے۔ اگر یہودیت ونصرانیت کو ایک پلڑے میں رکھا جائے اور اس آیت کو دوسرے میں تو پہلے لفظ کے وزن سے، وہ یہودیت بھاری ہوجائیگی اور دوسرے لفظ کا وزن اس کو نصرانیت پر بھاری کردے گا، اور چونکہ بقیہ تمام دنیا کی قربانیاں غیر اللہ کے لیے ہیں اور سب نے اللہ واحد کو چھوڑکر ارباب واصنام بنالیے ہیں اس لیے تیج کا عظیم الشان لفظ، اس کا پلہ تمام عالم سے گراں کردے گا۔ پھر حسن نظم کا اعجاز دیکھیے کہ آپ سے آپ خدا پرستی کی کیسی سیدھی اور صاف راہ باز ہوگئی ہے! یعنی اللہ کی بندگی کی راہ یہ ہے کہ ہرحال میں خدا کی یاد کی جائے اور دل اس کی طرف متوجہ رہے۔ اور زمانہ اور حالت کی رعایت کے ساتھ ہر موزوں شکل میں اس کے سامنے عجز ونیاز کی نذر گزرانی جائے۔

اب ایک دوسرے پہلو سے غور کرو۔ اللہ تعالیٰ نے چونکہ حضرت ابراہیمؑ کی وراثت نبی امی صلعم اور ان کے اتباع کی طرف منتقل کردی اور اس مخصوص وراثت سے یہود ونصاریٰ کو محروم کردیا۔ اس لیے اُس نماز اور قربانی کا حکم دیا جو اس امت کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ظاہر ومنصوص ہے حضرت ابراہیم نے ایک مسجد کی تعمیر کی تھی، کوئی قربان گاہ نہیں بنائی تھی: طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ۔ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔

یعنی نماز ہی ان کے دین کی غایت اور اصل واساس تھی۔

باقی رہی قربانی، تو یہ ان کی اور ان کے اطاعت شعار فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کی فدویت وجان سپاری کی یادگار ہے۔ اس لیے اس سنت کے قیام واحیاء کے لیے مقام مروہ مخصوص ہوا، جو حضرت اسمٰعیل کی قربانی کی جگہ ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے حجاج بیت اللہ کی قربانی کی یادگار بنا کر اس کو ہمیشہ کے لیے قائم وثابت کر دیا۔

یہود کی عبادت تمام تر قربانی میں محصور تھی اور یہ بھی ان تمام حقائق واشارات سے یکسر خالی جن کی طرف قرآن حکیم نے جابجا رہنمائی کی ہے۔ ان کے ہاں کوئی ایک شہادت بھی اس بات کی نہیں ملتی کہ ان کی یہ قربانی حضرت اسحاق علیہ السلام کی قربانی کی یادگار ہے اُن کی آسمانی کتاب خود ان کے اس دعوی کی بہ وجوہ تردید کرتی ہے۔ جیسا کہ ہم مفصل اس کے مقام پر لکھ چکے ہیں

چونکہ صورت معاملہ یہ تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر "نحر" کا لفظ استعمال کیا جو اونٹ کے ذبح کے لئے مخصوص ہے اور اونٹ یہود پر حرام تھا۔ اس بحث کی تفصیلات سورۂ بقرہ اور آل عمران سے متعلق ہیں، اس لیے یہاں اجمالی اشارہ کافی ہے یہاں صرف اس قدر یاد رکھنا چاہیے کہ اونٹ کی قربانی میں یہود کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہ قربانی صرف ابراہیمی قربانی ہے جو حضرت اسمٰعیل کی اولاد کے لیے مخصوص ہے۔

شانئك اور الابتر کی تاویل ۱۲۔ آخری آیہ کی تاویل سے پہلے اس کے دو لفظوں "شانئك" اور "الابتر" پر غور کر لینا چاہیے۔

لفظ "شانی" معرفہ کی طرف مضاف ہو کر خود تعریف کے حکم میں آگیا ہے لیکن معرفہ کے لیے تعین وتشخص لازمی نہیں، تاہم بعض مفسرین نے تعیین کرنی چاہی اور چونکہ ان کا مبدا استنباط عام احوال وواقعات ہیں اس لیے جیسا کہ اس حالت میں متوقع ہے، ان کے اقوال مختلف ہوگئے ابن عباسؓ سعید بن جبیرؓ، مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد عاصم بن وائل ہے جس نے

کہا تھا انا شانئ محمد "میں محمدؐ کا دشمن ہوں" شمر بن عطیہ سے روایت ہے کہ یہ عقبہ بن معیط ہے وہ یہ کہا کرتا تھا کہ پیغمبر کی کوئی اولاد زندہ نہیں رہے گی۔ ان کی نسل منقطع ہے۔ اسی طرح ابن عباسؓ اور عکرمہؓ کے بعض اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس سے قریش مراد لیتے ہیں۔ میرے نزدیک اگرچہ اس لفظ کا مصداق کوئی مخصوص شخص ہونا چاہیے اور آیت کا اولین محمل وہی ہوگا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس کا نام لے کر اس کی فضیحت نہیں پسند کی تو بہتر یہی ہے کہ ہم بھی تسمیہ وتعیین سے احتراز کریں۔

یہ تفصیلات اس صورت سے متعلق ہیں جب کسی معین شخص کو مراد لیا جائے لیکن جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں معرفہ کے لیے یہ ضروری نہیں ہے۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ مامون راہ یہ ہے کہ استنباط کی باگ قرآن مجید کے ہاتھ میں دیدیجائے اس کا نظم وسیاق جس طرف اشارہ کرے اسی طرف چلنا چاہیے۔ پچھلی سورہ میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ رجحان کلام قریش کی طرف ہے، تمام قابل اعتماد روایات اسی کی تائید کرتی ہیں۔ پھر حالات و قرائن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہی اس لفظ کے سب سے صحیح مصداق ہو سکتے ہیں۔ ہمارے پچھلے مباحث کا اقتضا بھی یہی ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر اولاً اور بالذات اس سے قریش کو مراد لینا چاہیے۔ پھر ہر اس جماعت یا شخص کو جس میں یہ صفت پائی جائے۔ موقع نزول کی خصوصیات کسی لفظ کی وسعتوں کو محدود نہیں کرتیں۔ یہاں اس لفظ کے متعلق اتنی گفتگو کافی ہے۔ آیہ کی تفسیر کے ذیل میں مزید تفصیل ملیگی۔

"ابتر" لفظ بتر سے صفت کا صیغہ ہے "بتر" کے معنی کاٹنے کے ہیں۔ یہ لفظ مختلف طریقوں سے استعمال ہوا ہے جن پر غور کرنے سے اس معنی کی طرف رہبری ہوتی ہے جو یہاں مراد ہے۔ اس لیے اس مادہ کے مشتقات ہم ان کی معنوی ترتیب کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

سیف باتر، یا بتّار، شمشیر برّاں کو کہتے ہیں۔ بَتَرَ فُلانٌ رَحِمَہٗ، فلاں شخص نے رشتہ رحم کو کاٹ دیا۔ اسی سے اباتر ہے، جس کے معنی قاطع رحم کے ہیں۔ ابتر الدجل کے معنی ہیں دیا پھر رک گیا۔ حجۃ ''بترا، برہان قاطع کو کہتے ہیں۔ قربانی والی حدیث میں ہے۔ انہ نھٰی عن المبتورہ۔ آپ نے دم بریدہ جانور کی قربانی سے منع فرمایا۔ ابتر ایک خاص سانپ کو کہتے ہیں جس کی دم چھوٹی ہوتی ہے۔ اسی طرح ابتر، اس شخص کو کہتے ہیں جس کی نسل منقطع ہو۔ حدیث میں ہے، کُلّ اَمرذی بالٍ لم یُبدأ ببسم اللہ فھو ابتر، جو اہم کام اللہ کے نام سے نہ شروع کیا جائے وہ ابتر ہے۔ جو خطبہ حمد وصلوٰۃ سے خالی ہو اس کو بترا کہتے ہیں بتراس مشک یا ڈول کو بھی کہتے ہیں جس میں لٹکانے کی رسی یا تسمہ نہ ہو۔ ابتران'' گدھے اور غلام کے لیے بولا جاتا ہے۔ سورج کی تمازت اور اس کی شعاعوں کی تابانی جب ماند پڑ جاتی ہے تو اس کو ''بتیرا'' کہتے ہیں۔

ان تمام مشتقات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ 'ابتر' اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ان تمام چیزوں سے محروم ہو گیا ہو جو ایک شخص کی عزت وعظمت اور قوت وشوکت کا ذریعہ ہیں۔ چنانچہ دیکھو، سورج جب اپنی شعاعوں کی فوج سے الگ ہوکر، اپنے تمام جلال وعظمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور ایک چھوٹی سی ٹکیا کی شکل میں نظر آنے لگتا ہے تو اس کو بتیرار، کہتے ہیں۔ اسی طرح جو شخص اپنے رشتہ رحم کو کاٹ کر اعوان وانصار کی حمایت سے محروم ہو جانے اس کو ابتر کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے اُبتران، کا لفظ گدھے اور غلام کے لیے بولا گیا کہ قبیلہ میں سب سے زیادہ کم حمایتی انہی کے ہوتے ہیں۔

اس بنا پر قتادہؓ نے ابتر کے معنی حقیر وذلیل کے بتائے ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ لفظ مقطوع کے معنی سے چلکر صغیر وتصغیر کے معنی میں آیا پھر بے یار ومددگار اور حقیر وذلیل کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ ان دونوں لفظوں کی تفسیر سے فارغ ہونے کے بعد ہم آیہ

کی تاویل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ کی تاویل ۱۲۔ اس میں شبہ نہیں ہے کہ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ان لوگوں کے جواب میں ہے جنہوں نے آنحضرت صلعم کو بطریق طعن ابتر کہا تھا۔ تمام مفسرین نے ایسا ہی سمجھا ہے۔ ہم کو بھی اس سے پورا اتفاق ہے لیکن اس کہنے سے ان کا مطلب کیا تھا؟ اس کا جواب کسی قدر محتاج تفصیل ہے۔

جب آنحضرت صلعم نے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو قریش نے خیال کیا کہ آپ نے رشتہ رحم کاٹ کر، ایک طرف عرب کے معزز ترین خاندان کی تمام عظمتوں سے اپنے کو محروم کر لیا اور دوسری طرف تولیتہ کعبہ" اور اس کی ہمجواری کی جو عزت و سعادت اس خاندان کے واسطے سے آپ کو حاصل تھی، وہ بھی اپنے ہاتھوں برباد کر دی۔ اس کے بعد آپ کی حیثیت ان کی نظر میں محض ایک شاخ بریدہ کی تھی جو اپنے تنہ سے الگ ہو کر خشک اور فنا ہو جانے کے لیے چھوڑ دی گئی ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو برکت و کثرت اور فتح و نصرت کی بشارت دی کہ آپ کے دشمنوں کا خیال بالکل غلط ہے خود وہی بے یار و مددگار اور تباہ و برباد ہونگے؛ اور چونکہ یہ بات ان کے خیال کی تردید میں کہی گئی ہے اس لیے اس میں ایک لطیف تعرض بھی ہے کہ آپ کے اعداء جس عزت پر آج فخر کر رہے ہیں وہ عنقریب ان سے چھن جائے گی۔ اس پہلو سے اس آیت میں فتح مکہ کی بشارت ہے۔

لغت اور نظم کلام کے علاوہ روایات سے بھی اس مطلب کی تائید ہوتی ہے امام سیوطی رح کہتے ہیں:۔

"بزار وغیرہ نے بسند صحیح ابن عباس سے تخریج کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کعب بن اشرف مکہ آیا قریش نے اس سے کہا، تم اہل مدینہ کے سردار ہو۔ اس شخص کو دیکھتے ہو

جو اپنی قوم سے کٹ کر علیحدہ ہو گیا ہے۔ اور پھر بھی اپنے تئیں ہم سے افضل خیال کرتا ہے! حالانکہ حجاج کے نگران ان کو پانی پلانے والے اور خانہ کعبہ کے کلید بردار اور متولی ہم ہیں۔

کعب نے جواب دیا تم اس سے افضل ہو۔ اس پر "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ" والی آیت اتری"۔

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں تخریج کی ہے کہ "ابن المنذر عکرمہ سے راوی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے مشرف فرمایا۔ قریش نے کہا کہ محمد ہم سے کٹ گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان شانئك الخ والی آیہ نازل فرمائی"

امام احمد وغیرہ نے اسی مضمون کی روایتیں تخریج کی ہیں جو حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہیں۔

بعینہ اسی مضمون کی ایک روایت ابن جریر نے تخریج کی ہے جو ابن عباس سے مروی ہے کہ جب کعب بن اشرف مکہ آیا تو قریش اس سے ملے اور کہا کہ ہم حجاج کو پانی پلاتے ہیں اور کعبہ کے کلید بردار ہیں۔ تم اہل مدینہ کے سردار ہو۔ بتاؤ ہم بہتر ہیں یا یہ شخص جو اپنی قوم سے کٹ کر علیحدہ ہو گیا ہے اور اپنے کو ہم سے افضل خیال کرتا ہے! اس نے کہا تم افضل ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان شانئک الخ والی آیت نازل فرمائی اور اسی موقع پر یہ آیۃ بھی نازل ہوئی

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا۔ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا	کیا تو نے دیکھا ان لوگوں کو جن کو کتاب آسمانی کا ایک حصہ ملا ہے اور وہ جبت و طاغوت پر ایمان لاتے ہیں اور کفار سے کہتے ہیں کہ تم لوگ مسلمانوں سے زیادہ راہ یاب ہو یہی لوگ ہیں جن پر خدا کی پھٹکار ہے اور جن پر خدا کی پھٹکار ہوئی تم ان کے لیے کوئی مددگار نہیں پا سکتے۔

بعینہ اسی مضمون کی ایک اور روایت حضرت عکرمہؓ سے بھی ہے۔ صرف وعند نا شحن البدن کے الفاظ زیادہ ہیں۔

یہ تمام روایتیں، تقریباً ہم معنی ہیں۔ قریش کو اپنے خاندانی شرف و اصالت نیز بیت اللہ کی ہجواری و خدمت اور قربانی پر بڑا ناز تھا۔ وہ اسی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت سمجھتے تھے، اس لیے ان کو خیال ہوا کہ جو شخص ان سے علیحدہ ہوگیا وہ اس شاخ بریدہ کے مانند ہے جس کا خشک ہوکر فنا ہوجانا یقینی ہے۔ وہ اپنے اس گمان میں مگن تھے اور یہودی سردار کی تائید نے اس کو مزید قوت دیدی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ غلط فہمی دور کردی کہ جو خیال تم پیغمبر عالم صلعم کے متعلق قائم کر رہے ہو، وہ بالکل غلط ہے۔ البتہ تم عنقریب مخذول و مقہور رہوگے۔ اور وہ تمام نعمتیں جو تم کو خانہ کعبہ کی تولیت کے صلہ میں ملی تھیں تمہاری شرارتوں اور بدعہدیوں کی پاداش میں تم سے چھین لی جائیں گی۔ چنانچہ سورہ براءۃ کے نزول نے اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کو سچ کردیا اور خانہ کعبہ سے مشرکین کا رشتہ یک قلم منقطع کردیا گیا۔ یہاں یہ مجمل اشارات کافی ہیں۔ پندرہویں فصل میں اس کے متعلق مزید تفصیلات آئیں گی۔

سورۃ کا موقع نزول اور فتح مکہ کی بشارت | ہم پچھلی فصلوں میں گذر چکا ہے کہ یہ سورۃ فتح مکہ کی بشارت ہے اور "انا اعطینٰک" میں ماضی کا صیغہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ وعدہ فتح عنقریب پورا ہونیوالا ہے۔ قرآن مجید کی ایک سے زیادہ آیات میں، اللہ تعالیٰ نے نبی صلعم کو صبر و انتظار کا حکم دیا ہے۔ اور فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے لیکن ہر آیت میں ایک قسم کا ابہام ہے۔ مثلاً۔

وَ اِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَیْنَا الْحِسَابُ۔　ہم ان کو جس چیز کی دھمکی دے رہے ہیں اس کا کچھ حصہ یا تو تم کو دکھادیں گے یا دکھانے سے پہلے تم کو اٹھالیں گے۔ تمہارے اوپر صرف تبلیغ کی ذمہ داری ہے، حساب کا تعلق ہم سے ہے۔

دوسری جگہ ہے۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ	یا تو ہم تم کو اٹھالیں گے پھر ہم ان سے انتقام لیں گے
اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ	یا تمہیں دکھائیں گے وہ چیز جس کی ہم نے ان کو دھمکی
مُّقْتَدِرُوْنَ ۔	دی ہے کیونکہ ہم کو ان پر پوری طرح قدرت حاصل ہے

ان آیتوں سے صاف نہیں کھلتا تھا کہ آنحضرت صلعم کے ساتھ کس طرح کا معاملہ ہوگا۔ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح نصرت الٰہی کے ظہور سے پہلے وفات پائیں گے یا حضرت نوح علیہ السلام کی طرح غلبہ و نصرت ربانی کا جلال دیکھ کر، یا ان دونوں سے الگ آپ کے ساتھ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سا معاملہ پیش آئے گا۔ جن کو فتح و نصرت کا کچھ حصہ ان کی زندگیوں میں دکھا دیا گیا لیکن اس کے کامل ظہور کا وعدہ آخری بعثت پر اٹھا رکھا گیا، اس لیے مسلمان ایک صاف وصریح وعدہ کے لیے بیقرار تھے۔ اس آیت نے نازل ہو کر مسلمانوں کو فتح و نصرت کی خوشخبری سنائی اور جو بات اب تک اخفا و ابہام کے حجاب میں گم تھی بے نقاب ہو کر سامنے آگئی۔

اس لیے قیاس یہ ہے کہ یا تو یہ سورۃ فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہے یا پہلی فتح یعنی صلح حدیبیہ کے روز نازل ہوی ہے۔ روایات سے بھی ہمارے اس قیاس کی تائید ہوتی ہے۔ ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں مندرجہ ذیل روایات نقل کی ہے۔

"سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ "فصل لربک وانحر" والی آیت حدیبیہ کے دن نازل ہوی۔ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ قربانی کر کے لوٹ جاؤ۔ آنحضرت اٹھے اور عید الفطر یا عید الاضحیٰ (راوی کو شبہہ ہے) کا خطبہ دیا۔ پھر دو رکعت نماز ادا کی اور قربانی کی اسی وقت حضرت جبرئیل نے فصل لربک وانحر کا پیام دیا"

امام سیوطی نے یہ حدیث نقل کر کے لکھا کہ "اس میں سخت غرابت ہے" لیکن اس غرابت کی

کوئی وجہ نہیں بیان کی ہے۔ چونکہ یہ روایت مختلف وجوہ سے مشہور خیال کے مخالف نظر آئی اس لیے انہوں نے وجہ غرابت کی تشریح ضروری نہیں سمجھی۔ حالانکہ جن اسباب سے ان کو یہ وہم ہوا، وہ غور و تامل کے بعد، بالکل بے حقیقت ہوجاتے ہیں۔ ہم اجمالاً ان کو یہاں بیان کردیتے ہیں تاکہ ان کے ضعف کا اندازہ ہوسکے۔

(۱) انھوں نے خیال کیا کہ یہ سورۃ مکی ہے اور حدیبیہ کا واقعہ ہجرت کے بعد پیش آیا ہے۔ حالانکہ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ علماء نے تصریح کردی ہے کہ جو سورتیں ہجرت کے بعد مکہ کے قریب نازل ہوئی ہیں، وہ بھی مکی کہلاتی ہیں۔ حدیبیہ مکہ سے بالکل قریب ہے دونوں کے درمیان صرف ایک منزل کی مسافت ہے اور حدیبیہ اور مدینہ کے درمیان نو منزلوں کی مسافت ہے۔ حدیبیہ حرم میں داخل ہے۔

۲۔ دوسرا شبہہ یہ ہوا کہ حدیبیہ کا واقعہ ہجرت کے ۵ سال ۹ مہینے کے بعد پیش آیا اور کعب بن اشرف ہجرت کے تیسرے سال قتل ہوا ہے اور روایات میں آتا ہے کہ "ان شانئك هو الابتر" اس کے اُس سوال کے جواب پر نازل ہوئی ہے جو قریش نے اس سے پوچھا تھا اور جس کی تفصیل پچھلی فصل میں گذرچکی ہے۔ اس لیے اس سورہ کا حدیبیہ کے موقع پر اترنا صحیح نہیں ہوسکتا۔ اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ جب کسی آیت کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ اس طرح کے موقع پر اتری تو اس کا مطلب کوئی متعین و مخصوص وقت نہیں ہوتا بلکہ ایک خاص حالت کے ساتھ آیۃ کی مطابقت ظاہر کرنی مقصود ہوتی ہے اس لیے ان شانئک ھو الابتر سے وہ تمام جماعتیں مراد ہوں گی جو آنحضرت صلعم کی دشمن ہوں، خواہ وہ فنا ہوچکی ہوں یا قیامت تک ظاہر ہوتی رہیں۔ اس آیۃ کے نزول کے وقت تک آپ کے جو اعداء ذلت و نامرادی کی موت مرچکے تھے وہ گویا سب باقی رہ جانے والے دشمنوں کے لیے مثال و عبرت تھے۔ کعب سے گفتگو کرنے کے بعد یہ نہیں ہوا تھا کہ قریش نے آنحضرت صلعم کے بارہ میں

اپنا فیصلہ بدل دیا ہو بلکہ اس شریر نے جو کچھ ان کے کانوں میں پھونک دیا تھا وہی ان کا اذعان واعتقاد تھا لیکن جب نصرت الٰہیہ کے ظہور نے آپ کے تمام اعدار کو پامال کر ڈالا تو مجبوراً ان کو اپنا یقین بدلنا پڑا۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت قریش کے متعلق ہے، جو کعب کے فریب میں آئے تھے، ان کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ یہ آیت ان کے حال سے بالکل مطابق ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فوراً ان کے طعنہ کا جواب دیا اور ذرا بھی توقف نہیں فرمایا۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ اس آیہ میں "شانی" سے "عقبہ بن مُعَیط" کو مراد لیتے ہیں۔ کیونکہ اس نے آنحضرت صلعم کو طعنہ دیا تھا کہ آپ کی کوئی اولاد زندہ نہیں رہتی اس لیے آپ ابتر ہیں۔ عقبہ بدر میں قید ہوا اور بدر کے جو قیدی قتل ہوئے ان کے ساتھ قتل کیا گیا لیکن یہ وجہ بھی کوئی قوی وجہ نہیں ہے۔ دوسری وجہ کی تردید میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس کی تردید کے لیے بھی کافی ہے۔ پھر اس آیت کی صحیح تاویل اس طعن سے بالکل بے تعلق ہے، ابتر سے یہاں منقطع النسل یا لاولد مراد نہیں ہے یہ تاویل بالکل سخیف ہے۔ نظم بھی اس سے ابا کرتا ہے اور روایت کی طرف سے بھی اس میں ضعف ہے۔ اس لیے سعید بن جبیر کے قول میں کوئی غرابت نہیں ہے بلکہ حق بات یہی ہے۔

اس سورہ کی اوپر والی دو آیتوں کی تفسیر میں محمد بن کعب قرظی سے جو قول مروی ہے اس سے بھی سعید بن جبیر کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

"بہت سے لوگ غیر اللہ کے لیے عبادت و قربانی کرتے تھے پس اے محمد جب ہم تم کو کوثر بخشیں تو تمہاری نماز و قربانی صرف ہمارے لیے ہونی چاہیے۔"

وہ گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قریش کوثر کی عظیم الشان نعمت پاکر بھی محروم ہی رہے کیونکہ انہوں نے اس نعمت کی قدر نہیں پہچانی اور اس کا حق ادا نہیں کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت ان سے چھین کر تم کو بخشی۔ پس جب ہم اس کو تمہیں دیدیں، اور گویا دے چکے تو تم اس کا

حق ادا کرو۔

یہ مسلم ہے کہ جب کوئی ایسا کام کرنے کا حکم دیا جائے "جو کسی واقع ہونے والی بات پر متفرع ہو تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ بات یا تو واقع ہو چکی ہے یا عنقریب واقع ہونے والی ہے۔ چنانچہ جب سورہ بقر اتری تو لوگوں نے اس کے مضمون سے یہی سمجھا کہ اس کا نزول ظہور فتح و غلبہ اسلام کے وقت ہوا ہے۔ اسی طرح ہم نے بھی محمد بن کعب کے قول "جب ہم تم کو کوثر بخشیں" کا مطلب یہی سمجھا ہے کہ ہم نے تم کو بخش دیا اور اس وعدہ کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے۔

(باقی)

مِراۃ المثنوی

مرتبہ جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے رکن دار الترجمہ

مثنوی مولانا روم کا بہترین ایڈیشن جس میں مثنوی شریف کے منتشر مضامین کو ایک سلسلہ کے ساتھ اس طور پر مرتب کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا مولانا کے مدعا اور ان کی تعلیم کو بڑی آسانی سے سمجھتا چلا جاتا ہے کئی انڈکس اور فہرستیں بھی ہیں جنکی مدد سے آپ حسب منشاء جو شعر چاہیں نکال سکتے ہیں۔ ایک بسیط فرہنگ بھی ملحق ہے۔ غرض یہ کہ اس کتاب نے مثنوی شریف سے فائدہ اٹھانے کیلئے ایسی سہولت مہیا کر دی ہے کہ ایک شخص بڑی آسانی سے کتاب کے مطالب پر عبور حاصل کر سکتا ہے۔

کاغذ کتابت بہترین جلد نہایت اعلیٰ قیمت ۸؎ انگریزی ۱۰؎ عثمانیہ

دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجئے